E- ISSN 2582-5429
AMRJ
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2021 Vol.02 Issue V SJIF Impact- 5.54

28

اُردو افسانے کا باوآدم: منشی پریم چند

ڈاکٹر شیخ آفاق انجم
نوتن مراٹھا کالج، جلگاؤں
drsfaqanjum@gmail.com

افسانہ اُردو ادب کی ایک مقبول نثری صنف ہے۔ اُردو میں افسانہ بھی ناول کی طرح مغرب ہی کی دین ہے۔ مغرب میں یہ شارٹ اسٹوری کہلائی اور مشرق میں افسانہ۔ 'افسانہ' فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی قصہ، کہانی، ماجرا، سرگزشت، یا جھوٹی اور من گھڑت بات کے ہوتے ہیں۔ افسانہ جدید صنعتی اور مشینی دور کی پیداوار ہے۔ بقول ایڈگر ایلن پو۔۔۔۔۔

''افسانہ ایک ایسی نثری داستان ہے، جس کے پڑھنے میں ہمیں آدھ گھنٹہ سے دو گھنٹے تک کا وقت لگے۔'' ۱

افسانے کی ضرورت واہمیت کے تعلق سے سلام سندیلوی یوں تحریر کرتے ہیں۔۔۔۔۔

''عدیم الفرصتی کی بناء پر انسان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ ضخیم کتب کا مطالعہ کر کے طولانی ناولوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس کو مختصر ادبی فن پاروں کی ضرورت محسوس ہوئی، تا کہ وہ اپنی رومانی تشنگی کو بجھا سکے۔ انہی حالات کے تحت افسانے کی ایجاد ہوئی۔'' ۲

اپنے سفر کے ابتدائی دور میں اردو افسانہ کافی نشیب وفراز سے گزرا۔ مختلف مراحل میں زمانے کی تیز وتند ہواؤں اور انسان کے تغیر پذیر رویّوں کا شکار رہا۔ کبھی اس نے فنی ولسانی بلندیوں کو چھو کر دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کی، تو کبھی وہ اپنے گرد وپیش کے حالات کے کرب سے چیخ اٹھا۔ کبھی افسانہ سستی اشتہار بازی کا شکار ہو کر مختلف فلاسفہ کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا، تو کبھی وہ ابہام کی بھول بھلیّوں میں اس دیوانگی کے عالم میں گم ہوا کہ اس کے دوش بدوش سانس لیتے نفوس بھی اس کے وجود اور مقصدیت کو چھو نہ سکے۔ افسانے کے اسی تذبذب نے اُردو ادب میں افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ اکثر قاری اور نقاد کو بھی الجھن میں ڈال دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ افسانہ رومانی سحر انگیزیوں، اشتہاری مقصدیت اور ابہام کی بھول بھلیّوں سے بہت حد تک آزاد ہو گیا، اور اب نیا افسانہ حقیقت کی معرفت اور اسلوب کی جاذبیت کی بنیادوں پر پورے استحکام کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے۔ افسانہ کے جسم میں گردش کرنے والی روح اب حقیقت سے کافی مانوس ہو گئی ہے۔ اب اسے محض تخیل کی لامتناہی فضاؤں میں محوِ پرواز ہونا گوارا نہیں ہے، بلکہ وہ حقیقی مناظر کو تصوراتی رنگ وروغن سے مزیّن کر کے دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب حقیقت نگاری ایک نئے روپ میں افسانہ کی سانسوں کے زیر وبم میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

اردو ادب کی اس دلچسپ اور سحر انگیز صنف کا باقاعدہ آغاز دیہات میں رہنے والے ایک ایسے سادہ لوح اور حساس شخص سے ہوا جس کی سادگی اس وقت بھی برقرار رہی، جب اس کی تحریری وفنی صلاحیتوں نے اسے ملک کے طول وعرض میں مقبولیت کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا۔ اُردو کے اس بے لوث سپاہی کو دنیا منشی پریم چند کے نام سے جانتی ہے۔ پریم چند ۳۱، جولائی ۱۸۸۰ء کو ریاست اتر پردیش کے شہر وارانسی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں لمہی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام دھنپت رائے شریواستو تھا۔ ابتدا میں نواب رائے کے قلمی نام سے لکھنے لگے۔ کاغذ اور قلم سے پریم چند کا رشتہ بالکل سچا اور گہرا تھا۔ وہ دیوانگی کی حد تک لکھنے پڑھنے کے عادی تھے۔ انہوں نے اُردو افسانے کو ایک نئی جہت بخشی اور کئی لازوال افسانوں کو سپردِ قرطاس کیا۔ اُردو افسانے کے آغاز اور اوّلیت کے تعلق سے خاصے اختلافات رہے ہیں۔ حالانکہ اُردو افسانے کی عمر کچھ اتنی طویل بھی نہیں کہ یہ تحقیق کیلئے کوئی بہت بڑا اور پیچیدہ مسئلہ ہو۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ راشد الخیری کا افسانہ 'نصیر اور خدیجہ' اُردو کا پہلا افسانہ ہے۔ کچھ محققین سجاد حیدر یلدرم کے افسانہ 'دوست کا خط' کو تو اکثر پریم چند کے افسانہ 'دنیا کا سب سے انمول رتن' کو اُردو کا پہلا افسانہ تسلیم کرتے

E- ISSN 2582-5429
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2021 Vol.02 Issue V SJIF Impact- 5.54

ہیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ پریم چند نے افسانہ نگاری کے فن سے اُردو دنیا کو روشناس کرایا۔ فنی اعتبار سے افسانہ کے تمام تر اجزائے ترکیبی، فنی کمالات اور اسلوبِ نگارش سب سے پہلے پریم چند کے افسانوں میں محسوس کیے گئے۔ اسی لئے پریم چند کو اُردو افسانہ کا موجد تسلیم کیا گیا۔

بقول سلام سندیلوی۔۔۔۔۔

''اُردو میں افسانہ نگاری کی بنیاد منشی پریم چند نے ڈالی۔ اُن سے قبل اُردو میں مختصر کہانیوں کے لکھنے کا باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ اس لیے افسانہ نگاری کی ابتدا کا سہرا منشی پریم چند کے سر ہے۔'' ۳

پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' ۱۹۰۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں آزادی و حریت پسندی، غلامی سے نجات اور علمِ بغاوت بلند کرنے کے موضوعات کو سمیٹا گیا تھا، جس کے باعث انگریز حکومت نے اس مجموعہ کی تمام کاپیاں ضبط کر لی اور سخت پابندی عائد کر دی۔ پریم چند اُس وقت تک نواب رائے کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ اس سانحہ کے بعد اُردو مجلّہ 'زمانہ' کے مدیر اور پریم چند کے قریبی دوست منشی دیا نارائن نگم کے مشورے پر وہ پریم چند کے قلمی نام سے لکھنے لگے۔ ان کی ابتدائی تخلیقات 'زمانہ' ہی میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ کاغذ قلم سے پریم چند کا رشتہ آخری سانس تک جاری رہا۔ آخری ایام میں وہ شدید بیمار پڑے اور اپنا آخری ناول 'منگل سوتر' مکمل کرنے سے قبل ہی ۸، اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اس ناول کی تکمیل ان کے بیٹے امرت رائے نے کی۔ دیہات کی تصویر کشی پریم چند کے افسانوں کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ پریم چند کی افسانہ نگاری کا ایک اور اہم پہلو اصلاح پسندی ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے ہندوستانی سماج میں پھیلی برائیوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں کا استحصال، کسانوں پر ظلم و ستم، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی زیادتیاں، اونچی ذات والوں کا دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اسی طرح کی دوسری برائیاں ان کے حساس دل کو تڑپا دیتی ہیں اور وہ اپنے افسانوں میں ان برائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ پریم چند کے افسانوں میں مقصدیت کا عنصر غالب ہے۔ اُن کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقاء نظر آتا ہے۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' سے لے کر آخری دور کے مجموعوں 'واردات' اور 'زادِ راہ' کے افسانوں میں بڑا واضح فرق نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے پریم چند کی افسانہ نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء کے عرصے پر محیط ہے۔ دوسرا دور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۲ء تک اور تیسرا دور جو نسبتاً مختصر ہے ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۶ء پر مشتمل پریم چند کی زندگی کے آخری چار سالوں کا احاطہ کرتا ہے۔ پہلے دور کے افسانوں میں رومانی تصوّرات نمایاں ہیں۔ دوسرے دور میں معاشرتی برائیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی ہے، اسی طرح سیاسی موضوعات بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔ آخری دور کے افسانوں میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس مختصر مگر اہم دور میں پریم چند نے ناقابلِ فراموش افسانے لکھے۔ یہ شاہکار افسانے اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

جس زمانے میں پریم چند نے افسانہ کو اپنے اظہارِ افکار کا ذریعہ بنایا اور جس زمانے میں ان کا فطری وجدان صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوا، وہ زمانہ داستان گوئی سے عبارت تھا۔ طویل داستانیں اور ضخیم ناول زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر دائمی شکل اختیار کر رہے تھے۔ انسانی جذبات و احساسات کے اظہار کا واحد ذریعہ داستان نگاری تھا۔ اس صنف میں قارئین کے لئے سبق آموز واقعات بھی تھے اور تفریحِ طبع کا سامان بھی۔ 'داستانِ امیر حمزہ'، 'باغ و بہار'، 'الف لیلیٰ' جیسی داستانیں ادب میں اپنا سکہ بٹھا چکی تھیں۔ اُردو ادب کے دامن میں کئی ایسے شاہکار ناول بھی موجود تھے جنہوں نے اردو کے تخیلاتی رنگ کو حقیقت نگاری کی تزئین کاری سے نکھار دیا تھا۔ مولوی نذیر احمد کا تحریر کردہ اُردو کا پہلا ناول 'مراۃ العروس'، رتن ناتھ سرشار کا ناول 'فسانہ آزاد'، مرزا ہادی رُسوا کا 'اُمراؤ جانِ ادا' جیسے لافانی اور شاہکار ناول موجود تھے، جو آج بھی اُردو ادب کا سرمایہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ پریم چند نے اسی داستان گوئی کے طلسمی ماحول کو ادبی حلقے میں اپنے اردگرد پایا۔ لہٰذا جب انہوں نے افسانہ نگاری کیلئے قلم سنبھالا تو غیر ارادی طور پر ان کے افسانوں پر داستانوی رنگ اور رومانیت کی ہلکی پرت نظر آئی۔ پریم چند کے افسانوں کی طوالت دراصل ان کی اسی تفصیل نگاری کی مرہونِ منت ہے، جو انہیں داستان گوئی سے ورثہ میں ملی تھی۔ خوبصورت منظر نگاری پریم چند کی افسانوں کا خاصہ ہے۔ وہ گاؤں دیہاتوں کا ایسا منظر کھینچتے ہیں کہ پورا نقشہ قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں سیاسی موضوعات کو بھی بڑی خوبی سے برتا ہے۔ آزادی کی جدوجہد پورے ملک میں شباب پر تھی، اسی تاثر کے زیرِ اثر ان کا پہلا افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' جذبہ، حُبّ الوطنی سے سرشار تھا۔

افسانوی سفر کے دوسرے دور میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی اصلاح کی جانب توجہ دی۔ انہوں نے ہندو معاشرے کی قبیح رسوم پر بے لاگ تبصرہ کیا۔ بیوہ عورتوں کے مسائل، بے جوڑ شادیاں، جہیز کی لعنت، چھوت چھات جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔ اس دور میں وہ سماج کے مصلح کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔

E- ISSN 2582-5429

Akshara Multidisciplinary Research Journal

Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal

AMRJ

April-June 2021 Vol.02 Issue V SJIF Impact- 5.54

اس دور کے افسانے سماجی مساوات، احترامِ انسانیت، مشرقی و مغربی تہذیب کے فرق اور اخلاقی اقدار کی جانب معاشرے کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ ان کے افسانے 'حج اکبر'، 'نئی بیوی'، 'بوڑھی کاکی'، 'دو بیل' اور 'زادِ راہ' اسی طرز نگارش کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پریم چند کی تخلیقات کا مرکزی کردار عام آدمی ہے۔ عام آدمی کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی جدوجہد کو انہوں نے اپنے اکثر افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے اپنے اکثر افسانوں میں ایسے کرداروں کو پیش کیا جو سماج میں حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا اسلوب نگارش نہایت ہی سادہ اور رواں دواں ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں عام بول چال کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے دیہاتی زندگی کو اپنے افسانوں کا محور بنایا۔ وہ دیہات کے رہنے والے تھے اس لئے دیہاتی ماحول سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے افسانوں میں دیہات کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے۔ ان کے افسانے 'پوس کی رات'، 'سوا سیر گیہوں'، 'دو بیل' وغیرہ کسانوں کی غربت اور افلاس کی ترجمانی کرتے ہیں۔ پریم چند کے سب سے اہم پلاٹ وہ ہیں جن میں ہندوستان کے کسانوں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ پریم چند نے کسانوں کو ان کی گہری نیند سے بیدار کیا اور یہ محسوس کیا کہ ہندوستان کی آبادی کا بیشتر حصہ دیہاتوں پر مشتمل ہے اگر دیہات کے باشندے بیدار ہو جاتے ہیں تو ہندوستان کی بیداری یقینی ہے۔

دیہات اور گاؤں سے پریم چند کی قلبی انسیت کے تعلق سے ڈاکٹر قمر رئیس یوں رقمطراز ہیں۔۔۔۔۔

''پریم چند سے پہلے اردو کا افسانوی ادب شہری زندگی اور اس کے مسائل تک محدود تھا۔ پریم چند نے پہلی بار اردو افسانہ میں گاؤں کی کھلی ہوئی زندگی، اس کے میلے ٹھیلے، کھیت کھلیان، چوپال اور گاؤں کے سماجی رشتوں کو پیش کیا۔'' ۴

پریم چند کی افسانوں کا آخری دور ان کے افسانوی عہد کا سنہرا اور معیاری دور ہے۔ آخری دور کے افسانوں میں پریم چند ایک منفرد اور ایک عظیم افسانہ نگار کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور کے افسانے مقامی ہونے کے باوجود آفاقی کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ آخری دور میں ان کے افسانوں میں وہ خوبیاں پیدا ہوگئی تھیں جو عمدہ، معیاری اور شاہکار افسانوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہیں۔ وہ یہاں محض اصلاح کو پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ مادی حقائق سے مسائل کو پرکھتے بھی ہیں۔ یہ دور پریم چند کے نظریات کی پختگی اور ترویج کا دور ہے۔ اس دور کے افسانے فن اور معیار کے لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ اس دور میں ان کے چار مجموعے 'آخری تحفہ'، 'زادِ راہ'، 'دودھ کی قیمت' اور 'واردات' شائع ہوئے۔ آخر الذکر دونوں مجموعوں کی اشاعت ان کی موت کے بعد ہوئی۔ پریم چند کی زبان کی انفرادیت اور اسلوب کا ہر کوئی معترف رہا ہے۔ ان کا انداز بیان بھی دلکش اور سید ھا دل میں اتر جانے والا تھا۔ اس کی بہترین مثال ان کا آخری افسانہ 'کفن' ہے۔ جس میں پریم چند نے افسانہ نگاری کی فنی معراج کو پالیا۔ 'کفن' میں قارئین نے ایک نئے پریم چند کو جلوہ گر ہوتے دیکھا۔ اس افسانہ کا موضوع ان کے سابقہ افسانوں سے قدرے مختلف ہے اور ایک مہین پردہ کے پیچھے سے جھانکتا نظر آتا ہے۔ کرداروں کا عکس بھی چند فریموں میں غیر واضح ہو جاتا ہے۔ انسان کی اندرونی کیفیات اور انسانی فطرت کی جھلک اس افسانہ میں ابہام کی پر پیچ وادیوں کی سیر کراتی ہے۔ کہانی اپنے وجود کو منواتے ہوئے آگے بڑھتی جاتی ہے نیز کہانی پن کا احساس بھی دلاتی جاتی ہے اور یہی پریم چند کا کمال فن ہے۔ 'کفن' کے کردار ہمارے ارد گرد سانس لیتے مختلف انسانی خصلتوں کے حامل نظر آتے ہیں۔ ان کی خود غرضی، موقع پرستی اور انتہائی بے حسی کوئی ایسے تعجب خیز شخصی عیوب نہیں ہیں بلکہ ان کرداروں کے رویے بھی انسانی مزاج کے آئینہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں ایک چیز جو خصوصیت سے اس افسانہ میں محسوس کی جاسکتی ہے، وہ ہے واقعات کا تحیر انگیز امکانات کے ساتھ تغیر پذیر ہونا۔ قاری واقعات کی ترتیب اور کردار کے رویوں کے متعلق کوئی حتمی اندازہ نہیں لگا پاتا۔ اس افسانہ کے کردار اختتام تک ایسے غیر مستقل پلاٹ میں حرکت کرتے ہیں جو ہر موڑ پر ایک نئے رجحان کا پتہ دیتا ہے۔ افسانہ کا یہ منفرد انداز اسے پریم چند کے دیگر افسانوں سے جدا کر دیتا ہے۔ جن انسانی رویوں کو پریم چند نے اپنا موضوع بنایا ہے، وہ واضح طور پر سامنے نہیں آتے۔ کہانی میں کچھ ایسے عوامل بھی موجود ہیں جو علامتوں کے سہارے اپنا سفر طے کرتے ہیں۔ افسانہ 'کفن' انسان کے ماحول کے ساتھ ساتھ اس کے داخلی جذبات اور کیفیات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ یہ افسانہ کسانوں اور پسماندہ طبقے کے لوگوں کی نفسیات کو پیش کرتا ہے۔ اس افسانہ میں حقیقت نگاری اور تخیل پروازی کا حسین امتزاج ہے۔ اس افسانہ کے اہم کردار مادھو اور گھیسو کے اکثر مکالمے انفرادی احساسات اور زندگی کے تلخ تجربات کی عکاسی کرتے ہیں۔ پریم چند نے اس افسانہ میں عصری حقائق کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس پریم چند کے اسلوب اور ان کے طرز تحریر پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔۔۔۔۔

''پریم چند کے فن کی ایک بڑی قوت ان کی سادہ اور سلیس زبان اور شفاف اور بے تکلف طرز تحریر ہے۔ انہوں نے بول چال کی عام فہم زبان کو تخلیقی زبان کا

E- ISSN 2582-5429

Akshara Multidisciplinary Research Journal

Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal

April-June 2021 Vol.02 Issue V SJIF Impact- 5.54

وہ عطا کیا اور اردو کے افسانوی ادب کو ایک ایسا جاندار اور شگفتہ اسلوب دیا جو تصنع، تکلف اور ہر طرح کی آرائش سے پاک ہے۔ اگر وہ اظہار کا بھی وہ سادہ اور حقیقت پسندانہ اسلوب ہے جو جدید اردو افسانہ میں پریم چند کی روایت کے تحفظ اور تسلسل کی شناخت بن گیا ہے۔'' ۵

پریم چند ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے افسانے کو ایک نئی جہت بخشی اور اردو افسانے کو طلسماتی اور رومانی فضا سے نکال کر زندگی کی حقیقتوں کا نقیب و ترجمان بنا دیا۔ پریم چند کے افسانے گو کہ ایک صدی سے کچھ کم عرصہ قبل تحریر کیے گئے مگر ان کے قلم کی ہمہ گیری نے ان کے افسانوں کو آج کے سلگتے ہوئے موضوعات کے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ اور یہی اہمیت پریم چند کے افسانوں کا وصف خاص ہے۔

حوالہ جات:

۱ ۔ فن افسانہ نگاری (لاہور) : سید وقار عظیم ۔ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان نئی دہلی ۔ ۱۹۷۷ء ۔ (ص ۳۰)

۲ ۔ ادب کا تنقیدی مطالعہ (لاہور) : سلام سندیلوی ۔ نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۔ ۱۹۷۲ء ۔ (ص ۲۹۱)

۳ ۔ ادب کا تنقیدی مطالعہ (لاہور) : سلام سندیلوی ۔ نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۔ ۱۹۷۲ء ۔ (ص ۳۴)

۴ ۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے (مقدمہ) : ڈاکٹر قمر رئیس ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۔ ۱۹۸۶ء ۔ (ص ۱۷)

۵ ۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے (مقدمہ) : ڈاکٹر قمر رئیس ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۔ ۱۹۸۶ء ۔ (ص ۲۳)